نے فقہ اور قیاس میں تصنیف کی، پھر کچھ ہی عرصے کے بعد ہشیم، لیث اور ابن لہیعہ نے تصنیف کیا، پھر ابن مبارک، ابو یوسف اور ابن وہب نے تصنیف کیا اور علم کی تدوین وتبویب کی کثرت ہوگئی۔علوم عربیہ، لغت و تاریخ اور سیر وحروب کی کتابیں مدون ہوگئیں۔ جب کہ اس زمانہ سے پہلے ائمہ کرام کا اعتماد اپنی یاد داشت پر تھا یا غیر مرتب صحیح صحائف سے علم کی روایت کیا کرتے تھے۔(۱)

خلافت امویہ کے آخری دور اور دور عباسی کے آغاز میں صرف پچاس سال کے اندر ہی بیشتر علوم وفنون کی ترتیب و تدوین عمل میں آچکی تھی۔ خواہ علوم نقلیہ ہو، مثلاً علوم قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور لغت و ادب کے مختلف علوم وفنون یا علوم عقلیہ ہو، مثلاً علوم ریاضیات، منطق، فلسفہ اور کلام۔(۲)

یہی وہ زمانہ تھا جب معتزلیوں کی تحریک جوان تھی اور اس کی لپٹ خلافت عباسیہ کے قصر شاہیں کو جھلسا رہی تھی۔ مامون، (م:۲۱۸ھ) معتصم (م: ۲۲۷ھ) اور واثق باللہ (م:۲۳۲ھ) اعتزال کے مبلغ و داعی بن گئے تھے۔منطق و فلسفہ کا عقل وشعور پر اس طرح غلبہ ہوا کہ ''**العقل هی السلطان**،، کے واشگاف نعرہ سے خلافت کی گلی، کوچے گونج اٹھے۔ ہر جگہ بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہوگیا۔ اسلام کی تعلیمات میں محض عقلی گھوڑے دوڑنے لگے، فطرتاً لوگ حدیث و سنت سے دور اور بدعت، محدثات اور طرح طرح کی خرافات سے قریب ہوگئے۔ ایسے دور میں اللہ تعالیٰ نے محی السنۃ، ماحی بدعت حضرت امام احمد بن حنبل کو پیدا فرمایا جنھوں نے نہایت بیبا کی کے ساتھ اعلان حق فرمایا۔کوڑے کھاتے رہے مگر حق گوئی سے مہر بلب نہ ہوئے۔جسم سے خون رس کر بہتا رہا مگر ''القرآن مخلوق،، کا قول نہ کیا۔

ہزار خوف ہو لیکن زبان دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

(۱) دیکھئے: تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص۲۰۱، طبع مصر (۲) ضحیٰ الاسلام، ۱۹/۲

جن کی بڑھتی ہوئی بیتابی و بیباکی سے
تازہ ہر عہد میں قصہ فرعون وکلیم

حسب ونسب

آپ کا نام احمد بن حنبل اور کنیت ابوعبداللہ ہے، آپ کا تعلق خالص عربی قبیلہ ''شیبان'' سے ہے، آپ کا نسب شریف حضرت امام بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''مناقب احمد'' میں اپنے شیخ حضرت ابوعبداللہ الحاکم صاحب مستدرک سے یوں نقل کرتے ہیں۔

احمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن اسد بن ادريس بن عبد الله بن حيان بن عبد الله بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شيبان بن ذهل بن ثعلبه بن حكابة بن صعب بن على بن بكر بن وائل بن قاسطِ بن هنب بن اقصى بن دعمى بن جديلة بن اسد بن ربيعة بن نزار بن ممد بن عدنان بن ادً بن ادد بن الهميسع بن حمل بن النبست بن قيدار بن اسماعيل بن ابراهيم الخليل عليهما السلام. (۳)

قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلی بغدادی نے بھی اسی طرح کا شجرۂ نسب معمولی اختلاف کے ساتھ مبارک بن عبدالجبار بن احمد سے روایت کرتے ہوئے ذکر کی ہے جس میں انھوں نے ''**مازن بن شيبان بن ذهل بن ثعلبة**'' کی جگہ ''**مازن بن ذهل بن شيبان بن ثعلبة**'' رقم فرمایا ہے:(۴)

آپ کا یہ وہ ارفع و اعلیٰ اور مبارک و مسعود شجرۂ نسب ہے جسے سرکارِ دوعالم ﷺ کے شجرۂ نسب سے ملنے کا شرف حاصل ہے۔ چناں چہ یہ مبارک سلسلہ نبی کریم ﷺ کے جدامجد نزار بن معد بن عدنان سے ملتا ہے۔ نزار کے دو بیٹے تھے مضر اور ربیعہ۔ مضر کی نسل پاک سے آپؐ ہیں اور ربیعہ کی نسل سے حضرت امام احمد بن حنبل ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۳) البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ۱۰/ ۴۱۷، طبع مصر

(۴) طبقات الحنابلۃ، محمد بن ابی یعلی البغدادی، ۸/۱

پیدائش

آپ کی پیدائش بغداد شریف میں ۱۶۴ھ میں ہوئی، آپ کی عمر تین برس تھی کہ آپ کے سر سے آپ کے والد بزرگوار کا سایہ اُٹھ گیا، آپ کی پوری کفالت آپ کی والدہ محترمہ نے کی۔

تعلیم و تربیت

کم عمری ہی میں آپ نے قرآن پاک حفظ کرلیا اور حسبِ ضرورت لغت کے مسائل سیکھنے کے بعد تحریر و کتابت کی طرف متوجہ ہوئے۔ چناں چہ وہ خود فرماتے ہیں، ''میں ابھی بالکل بچہ ہی تھا کہ حفظِ قرآن سے فارغ ہوگیا۔ چودہ سال کا تھا کہ تحریر و کتابت کی مشق و تحصیل میں منہمک ہوگیا۔'' (۵)

حضرت کی نجابت اور استقامت، دیانت اور ثقاہت، سعادت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ہم نشینوں کے لیے موجب تقلید اور ان کے آبا کے لیے باعثِ رشک بن گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے بچوں کے لیے آپ کو نمونہ اور ماڈل سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے، ''میں نے اپنے لڑکے پر اتنا خرچ کیا، اسے اتنے استاذوں کے حوالے کیا، اسے ادب اور تمیز سکھائی لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا اور احمد بن حنبل کو دیکھو یہ یتیم لڑکا اپنے ادب اور حسن تعامل کے باعث کیسے پسندیدہ اور قابلِ رشک خصائص کا حامل بن گیا۔

شعورِ بلوغ کے مراحل میں داخل ہوتے ہی آپ نے قاضی احمد یوسف رحمہ اللہ علیہ کی درس گاہ کا رُخ کیا۔ مگر بعد میں آپ نے قاضی صاحب کی مجلس چھوڑ دی اور ۱۶؍برس کی عمر میں طلبِ حدیث کی طرف متوجہ ہوگئے، پانچ مرتبہ آپ نے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور حجازی علما و محدثین سے خوب خوب استفادہ کیا، علاوہ ازیں آپ نے کئی بار بصرہ کا سفر کیا اور وہاں کے علما سے استفادہ کیا، اس کے علاوہ شام، یمن، کوفہ وغیرہ کا بھی سفر کیا ہے۔

طلب حدیث میں آپ چالیس برس کی عمر تک مختلف بلادِ اسلامیہ کے سفر کی مشقتیں برداشت کرتے رہے۔ کبھی کوفہ، کبھی بصرہ اور کبھی سرزمینِ حجاز یہاں تک کہ آپ کے کسی سفر میں آپ کے کسی جاننے والے نے استعجاباً کہا: کب تک کوفہ و بصرہ کا سفر ہوتا رہے گا، بلاشبہ آپ کی

(۵) دیکھیے: ابوزہرہ کی کتاب ''ابن حنبل حیاتہ وعصرہ، آراؤ وفقہ''، ص۲۵۔۲۶

یہ کمال احتیاط تھا اور آپ کی نظر میں سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی کمال جلوہ گری تھی کہ جب آپ کی عمر چالیس برس ہوگئی، تب آپ نے مسند حدیث و افتا پر جلوہ گر ہوئے اور خلقِ کثیر نے آپ کی ذات بابرکت سے اکتسابِ فیض کا۔ امام ابن جوزی نے اس سلسلے میں ایک روایت بھی بیان کی ہے،

''امام احمد کا ایک معاصر ۲۰۳ھ میں سلسلۂ طلب حدیث ان کے پاس پہنچا لیکن انھوں نے حدیث بیان کرنے سے انکار کردیا۔ اس کے بعد وہ امام عبدالرزاق بن ہمام ے پاس یمن گیا پھر وہ ۲۰۴ھ میں بغداد آیا تو دیکھا کہ امام حدیث بیان کرتے رہے ہیں اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔(۶)

سفرِ آخرت

امام احمد بن حنبل کا انتقال مختصر سی علالت کے بعد بروزِ جمعہ مبارکہ ۱۲/ربیع الاوّل ۲۴۱ھ میں ہوا، آپ نے ۷۵ برس کی عمر پائی اور شہیدوں کے قبرستان (مقابر الشہدا) کے حرب دروازے کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ میں بے شمار مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔ امیر محمد بن طاہر نے مردم شماری کا حکم دیا تو آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تیرہ لاکھ تھی، ایک روایت میں ہے کہ سات لاکھ تھی۔ خلافت کے تقریباً سوارباب اقتدار بھی موجود رہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ نائب شہر محمد بن عبداللہ نے پڑھائی، بھیڑ کی وجہ سے آپ کی کئی بار نمازِ جنازہ پڑھی گئی بلکہ بعد تدوین قبر پر بھی پڑھی گئی اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تدفین کی کارروائی نمازِ عصر کے بعد تک چلتی رہی۔(۷)

مستشرق لاؤسٹ لکھتا ہے:

> آپ کے جنازے کی تفصیلات سے جو کسی حد تک افسانے کا رنگ رکھتی ہیں، یہ بات ضرور واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کے متعلق عوام کے دل میں درحقیقت محبت کے مخلصانہ جذبات تھے، چناں چہ آپ کے مقبرے پر جوش و عقیدت کے ایسے مظاہرے ہوئے کہ مقامی حکام کو قبرستان کی

(۶) دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ۱۰/۴۳۵۔۴۳۷

(۷) دائرۃ معارف اسلامیہ (اردو) ۲/۶۴

حفاظت کے لیے پہرا لگانا پڑا، بغداد میں آپ کا مقبرہ سب سے بڑی زیارت گاہ بن گیا۔(۸)

۵۷۴ھ میں خلیفہ المستضیٔ نے اس پر ایک کتبہ لگوا دیا، جس میں اس یگانۂ روزگار محدث کو سنت کے زبردست ترین حامی کے طور پر بہت سراہا گیا۔ آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی میلادی میں دریائے دجلہ کے ایک سیلاب میں یہ مقبرہ بہہ گیا۔(۹)

امام احمد بن حنبل کا زہد وتقویٰ

آپ ایک جامع کمالات، گونہ گوں خوبیوں کے مالک تھے، دنیا بیزاری آپ کے رگ رگ میں بسی تھی، آپ زہد وتقویٰ کی اعلیٰ مثال تھے، ابنِ کثیر نے ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی مجلسوں میں کبھی دنیا کی باتیں نہیں ہوتیں اور نہ ہی آپ کبھی دنیا کا ذکر کرتے تھے۔

بیہقی نے مزنی سے، انھوں نے شافعی سے روایت کی ہے، شافعی نے رشید سے کہا کہ یمن کو ایک قاضی کی ضرورت ہے، رشید نے کہا: کسی کو چنو یمن کا قاضی بنا دیں، تو حضرت امام شافعی نے حضرت امام ابن حنبل سے کہا جو آپ کے من جملہ شاگردوں میں تھے، کیا آپ یمن کی قضا قبول کریں گے؟ آپ نے اس پیش کش کو سرے سے ٹھکرا دیا اور امام شافعی سے فرمایا کہ میں آپ کے پاس صرف علم کی بنیاد پر آتا ہوں اور آپ مجھے یمن کا قاضی بنانا چاہتے ہیں، اگر علم کی بات نہ ہوتی تو میں آج کے بعد آپ سے بات نہ کرتا۔

آپ کے زہد وتقویٰ کا عالم یہ تھا کہ اپنے چچا اسحاق بن حنبل اور اپنے بیٹوں کے پیچھے صرف اس لیے نماز نہ پڑھتے تھے اور نہ ان سے باتیں کرتے تھے کہ ان لوگوں نے خلیفہ متوکل باللہ کے انعامات قبول کرلیے تھے بلکہ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ آپ کو تین دنوں تک کچھ کھانے کو نہیں ملا، آپ نے اپنے کسی دوست سے آٹا قرض لیا، اتفاق سے آپ کے گھر والوں کو اس کی اطلاع ہوگئی، ان لوگوں نے جلدی سے آٹا گوندھا اور روٹی تیار کرکے آپ کی خدمت میں حاضر کردیا، آپ نے پوچھا اتنی جلدی؟ لوگوں نے جواب دیا کہ صالح (آپ کے فرزند) کے گھر

---

(۸) دیکھئے: دائرۃ معارفِ اسلامیہ (اردو) ۲/۶۴

(۹) دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ، ۱۰/۴۲۰۔۴۲۳

میں تنور جل رہا تھا، ہم نے وہاں روٹی پکا لی ہے، اس پر آپ نے فرمایا، اسے فوراً اٹھا لو اور آپ کھانے سے باز رہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ صالح نے چوں کہ بادشاہِ وقت کا انعام قبول کرلیا تھا اس لیے ان کے تعلق سے آپ نے یہ مؤقف اختیار کیا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ خلیفہ متوکل انواع و اقسام کے ماکولات و مشروبات سے سجا دسترخوان بھیجا کرتا تھا مگر آپ اس میں سے کچھ بھی نہیں تناول فرماتے تھے۔(۱۰)

اس طرح بے شمار واقعات ہیں جو آپ کے زہد سے متعلق ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

امام احمد بن حنبل کے شیوخ و اساتذہ

آپ ایک زمانہ تک مختلف بلادِ اسلامیہ کا سفر کرکے محدثین زمانہ اور فقہائے وقت سے استفادہ کرتے رہے، اس لیے آپ کے اساتذہ وشیوخ کی فہرست لمبی ہے، علامہ ابن جوزی نے ''مناقب'' میں آپ کے اساتذہ وشیوخ کی فہرست ترتیب ابجدی کے اعتبار سے تیار کی ہے جو سو سے متجاوز ہے، جن میں ظاہر ہے کہ آپ کے وہ سبھی شیوخ و اساتذہ شامل ہیں جن سے آپ نے یا تو فقہ میں استفادہ کیا ہے یا کوئی حدیث اخذ کی ہے یا کسی حدیث کی روایت کی ہے۔ ان میں چند اہم اساتذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

بغداد شریف میں آپ نے سب سے پہلے حضرت امام ابویوسف (م:۱۸۲ھ) سے استفادہ کیا، پھر سولہ برس کی عمر میں طلبِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدگی کے ساتھ ہشیم بن بشیر کے درس میں جو حضرت ابراہیم النخعی کے شاگرد تھے۔ ۱۷۹ھ سے لے کر ۱۸۳ھ تک شریک رہے۔ آپ کے بڑے اساتذہ میں حضرت سفیان بن عینیہ (م:۱۹۸ھ) ہیں جو دبستانِ حجاز کے سب سے بڑے مستند عالم تھے۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں بصرہ کے عبدالرحمٰن بن مہدی (م:۱۹۸ھ) اور کوفے کے واقع بن الرجاج (۱۹۷ھ) تھے۔(۱۱)

ابن کثیر نے امام بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے من جملہ اساتذہ میں حضرت امام شافعی بھی ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے شافعی سے فقہ میں استفادہ کیا

(۱۰) دائرۃ معارف اسلامیہ (اردو) ۶۴/۲

(۱۱) دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ، ۳۱۸/۱۰

اور مسند وغیرہ میں آپ سے روایت بھی کی ہے۔ جب امام احمد بن حنبل اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کے ترکے میں حضرت امام شافعی کے دونوں قدیم و جدید رسالے پائے گئے۔(۱۲)

یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام احمد بن حنبل کی فکر میں عراق و حجاز اور کوفہ و بصرہ کی خمیر شامل ہے جو متنوع ہونے کے ساتھ کافی زرخیز بھی ہے۔ امام صاحب کا یہ علمی پس منظر آپ کو ایسی غذا فراہم کرتا ہے جس سے ایک ایسے مسلک فقہی کی تشکیل ہوتی ہے، جسے مدینہ شریف کے مدرسۂ حدیث اور عراق کے مدرسہ قیاس کا حسین سنگم کہا جاسکتا ہے جس میں جہاں ایک طرف نقلی دلائل کی چاشنی ملتی ہے تو دوسری طرف حسبِ ضرورت عقلی دلائل کی صلابت بھی محسوس کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ حقیقت پر ظلم کرنے کے مترادف ہوگا کہ امام کے اساتذہ کا دائرہ تنگ کرکے آپ کے فکری پس منظر کو کسی خاص مدرسۂ فکر کے احاطہ میں محدود کردیا جائے۔ جیسا کہ مستشرق لاؤسٹ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتا ہے:

لیکن جیسا کہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔ (منہاج السنہ ۴/۱۴۳) ''علم فقہ میں آپ کی تعلیم و تربیت زیادہ تر اہلِ حدیث اور دبستانِ حجاز کی مرہونِ منّت ہے۔''(۱۳)

حلقۂ درس اور تلامذہ

مسند درس و افتا پر جلوہ فرما ہونے سے پہلے آفاق اسلامیہ کے کونے کونے میں آپ کی شہرت ہوچکی تھی۔ لہٰذا لازمی تھا کہ آپ کا حلقۂ درس انبوہ خلائق ہو۔ چناں چہ بعض رواۃ کا بیان ہے کہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے والوں کی تعداد پانچ ہزار نفوس کے قریب تھی، ان میں سے پانچ سو کے قریب وہ تھے جو لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ بغداد میں اتنے آدمیوں کی گنجائش جہاں ہوسکتی تھی وہ جامع مسجد کے سوا اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ چناں چہ ضروری ہوا کہ امام احمد وہیں اپنا درس قائم کریں۔ گرچہ آپ کی مجلس میں شریک ہونے والے سبھی لوگ آپ سے علم کے جویاں نہ تھے بلکہ کچھ تو حصولِ برکت کی خاطر حاضر ہوتے تھے اور کچھ اخلاق و کردار سے سبق سیکھتے تھے۔

اس کے علاوہ امام صاحب کی ایک خصوصی مجلس بھی تھی جو آپ کے گھر میں سجتی تھی۔

---

(۱۲) دائرۂ معارف اسلامیہ (اردو) ۴/۶۲

(۱۳) ابن حنبل، ابوزہرہ، ص ۳۵۔۳۶

اس میں آپ کے صاحب زادوں کے علاوہ خاص خاص شاگرد استفادہ کرتے تھے۔(۱۴)

امام احمد بن حنبل کی تصانیف

زہد وتقوی، بے نیازی اور احیاء قرآن وسنت کا جذبۂ اخلاص ہی تھا کہ حضر امام احمد بن حنبل اپنے متبعین کو اپنے افکار ونظریات کی تدوین وتالیف سے منع فرماتے تھے کہ مبادا کہیں ان کے افکار قرآن وسنت سے دوری کے اسباب نہ بن جائیں، یہی وجہ تھی کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے برعکس فقہ میں آپ کی کوئی کتاب آپ کی حیات طیبہ میں مدون نہ ہوسکی اور جو کتابیں آپ کی حیات طیبہ میں منظر عام پر آئیں وہ فی الجملہ حدیث ہیں جس کی تدوین میں آپ حرج نہیں تصور فرماتے تھے۔ وہ کتابیں یہ ہیں: المسند، التاریخ، الناسخ والمنسوخ، المقدم والموخر فی کتاب اللہ، فضائل الصحابۃ، المناسک الکبیر، المناسک الصغیر، کتاب الزھد، کتاب الرد علی الجہمیۃ اور کتاب الرد علی الزناوقہ۔ ان کے علاوہ چند رسائل ایسے ہیں جس میں اپنے مسلک کی وضاحت کی ہے اور اس کو مدلل کیا ہے۔(۱۵)

داستان صبر وعزیمت مسئلہ خلق قرآن کے تناظر میں

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے وہ جعد بن عبداللہ القسری نے اس جرم کے پاداش میں قتل کر ڈالا، مگر اس کی فکر عربی معاشرے میں پلتی بڑھتی رہی۔ جہم بن صفوان اور حارث بن سیج کو مروان بن محمد کے زمانے میں سیاسی اسباب کی بنیاد پر قتل کردیا گیا۔(۱۶)

ایک قول یہ بھی ہے کہ واصل بن عطا نے جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کا خوشہ چیں تھا۔ آپ کی مجلس سے باضابطہ اعتزالی اصولوں کے ساتھ اعتزال پسندی کا اعلان کیا اور اس تحریک کی داغ بیل ڈال دی۔ امویوں کے دور میں یہ تحریک زیادہ کامیاب نہ ہوسکی مگر جوں ہی عباسیوں کا دور شروع ہوا۔ نئے عناصر سے عرب متعارف ہوئے۔ یونانی اور سریانی

(۱۴) ابن حنبل، ابوزہرہ، ص ۱۶۸

(۱۵) دیکھئے تحریک اعتزال کی تفصیل: ظہر الاسلام، احمد امین، طبع مصر، ۹/۴

(۱۶) دیکھئے: داستان عزیمت، البدایہ والنہایہ: ابن کثیر، ۱۰/۴۲۳۔۴۲۹ اور ملاحظہ کریں: ابن حنبل ابوزہرہ، ص ۴۳۔۶۸

زبانوں سے علوم فلسفیہ کے ترجمے ہوئے۔ پس پردہ اسلام کے خلاف برسر پیکار فکری یورشوں کو بھی پنپنے اور بڑھنے کا موقع مل گیا۔ جس کے نتیجے میں منطق و فلسفہ اور عقل مضطرب کے سائے تلے پرورش پانے والی اعتزالی تحریک کو بھی تقویت ملتی گئی۔ چند ہی سالوں میں یہ تحریک بصرہ و بغداد کی مسجدوں کے محراب سے نکل کر تخت سلطنت پر قابض ہوگئی۔ ہارون کا زمانہ ختم ہوتے ہی مامون اعتزالی تحریک کے سلک میں باضابطہ طور پر پرویا گیا۔

مامون ایک معتدل علم دوست، دینی جذبہ سے سرشار اور صاحب فکر و تدبر بادشاہ تھا۔ اپنے بڑے بھائی محمد امین کی حرص بے جا اور بے راہ روی کی وجہ سے اس کا تختہ پلٹ کر ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک بلا اشتراک غیر خلافت عباسیہ کا بادشاہ رہا۔ اس نے اپنے دور خلافت میں علماء شعراء کو اپنے والد ہی کی طرح خوب نوازا۔ ارباب فکر ونظر کو قریب کیا جس کے نتیجے میں علم دفن ہر شعبے میں قابل قدر پیش رفت ہوئی۔

چوں کہ مامون ادیان و مذہب میں ابوہذیل علاف کا شاگرد تھا، ابوہذیل وہ شخص ہے جس کا شمار معتزلہ کے سربراہوں میں ہوتا ہے۔ مامون نے جب افکار وعقائد کی چھان پھٹک کے لیے مجالس مناظرہ منعقد کیں تو یہ معتزلہ سب سے آگے تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اس لیے کہ یہ لوگ عقلی طور پر مسائل کی بحث میں خصوصیت و امتیاز رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مامون پر ان لوگوں کا اثر بہت زیادہ ہوگیا انھیں اپنے سے قریب کیا، مناصب اور وزارت بھی تفویض کی بلکہ اس جماعت کے ایک فرد ابوعبد اللہ احمد ابی داؤد کو تو اتنا نوازا کہ اپنے بھائی معتصم کو وصیت کردی کہ امور مہمہ میں اس کی فکر و رائے کو شریک رکھا کرے۔ چناں چہ وہ اپنی وصیت میں لکھتا ہے، ''ابوعبداللہ بن ابی داؤد کو اپنے ہر معاملہ میں شریک کار رکھنا''(۱۷)

جب معتزلوں نے دربارِ خلافت میں اپنی دال گلتی ہوئی دیکھی تو انھوں نے سوچا کہ اب مامون سے خلقِ قرآن کے عقیدہ کا اعلان کروا دیا جائے۔ چناں چہ یہ بات مامون کے دل میں بیٹھ گئی اور اس نے ۲۱۲ھ میں اس عقیدہ کا اعلان کردیا اور معتزلوں نے اسے ان علما اور محدثین کے خلاف خوب ورغلایا جو اس فکر کے قائل نہ تھے بالخصوص حضرت امام احمد بن حنبل کے

(۱۷) طبقاتِ حنابلہ، ۱/۱۰

☆جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہوا سے ترجیح حاصل ہوگی ☆

خلاف یہاں تک کہ ان برگزیدہ ہستیوں پر ظلم وتشدد کے پہاڑ بھی توڑنے سے نہ چوکے۔

مامون اپنی موت سے چند ماہ قبل طرسوس میں رومیوں کے خلاف جہاد کر رہا تھا، معتزلوں کے اُکسانے پر اس نے وہیں سے حاکم بغداد اسحاق بن ابراہیم کو خط لکھا کہ لوگوں کو خلقِ قرآن کے تعلق سے قائل کرواؤ جو انکار کرے اسے ہمارے پاس بھیج دو۔ حاکم بغداد نے حکم پورا کیا اور کچھ علما کو اس فکر سے رجوع بھی کرا لیا مگر حضرت امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح نے صبر وثبات سے کام لیا اور اعتزالی فکر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے صاف انکار کردیا جس کے پاداش میں ان دونوں کو بیڑیوں میں ڈال کر طرسوس روانہ کردیا گیا مگر ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ مامون اس دنیا سے چل بسا اور ان لوگوں کو بغداد واپس بھیج دیا گیا۔

مامون کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہوا۔ یہ علم سے کورا اور تلوار کا دھنی تھا۔ مجاہدانہ صفت کا حامل جنگی مزاج بادشاہ تھا۔ اسی کے ہاتھوں عموریہ اور ترکی کے بیشتر علاقے فتح ہوئے۔ معتصم کے اس مزاج کا فائدہ اٹھاتے ہوئے معتزلوں نے اسے منکرین خلق قرآن کے ساتھ تشدد برتنے پر اُکسایا۔ چناں چہ اس نے معتزلوں کے حریفوں پر خوب ظلم ڈھایا۔ بالخصوص امام احمد بن حنبل جو معتزلوں کے سب سے بڑے حریف تھے، آپ کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں، آپ پر کوڑے برسائے گئے، جسم سے خون رس کر بہہ نکلتا۔ آپ پر بے ہوشی طاری ہوجاتی تو آپ کو تلوار کی نوک سے جگایا جاتا، پھر کوڑے کی برسات کی جاتی مگر آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، آپ نے کسی بھی حال میں خلقِ قرآن کا قول نہ کیا۔ صبر وعزم کا پہاڑ بن کر باطل کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ظلم ہار گیا اور مظلوم کی فتح ہوگئی۔ ۲۲۷ھ میں معتصم کا انتقال ہوگیا اور اس کے لڑکے واثق باللہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس کا رویہ حضرت امام احمد بن حنبل کے ساتھ اگرچہ اپنے والد کی طرح سفاکانہ نہ رہا اور اس نے آپ کو جسمانی اذیت دینے سے گریز کیا مگر اس نے آپ کو لوگوں میں گھلنے ملنے سے منع کردیا اور امام صاحب کے لیے یہ حکم صادر کردیا کہ ''تمھارے پاس کسی کو ملنے اور آنے جانے کی اجازت نہیں ہے اور نہ تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو جہاں میرا قیام ہو۔'' (۱۸)

---

(۱۸) البدایۃ والنہایۃ، ۳۱۸/۱۰

اس حکم کے بعد امام صاحب اپنے گھر میں محصور ہوگئے، حتیٰ کہ نماز وغیرہ کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ آپ کا دورِ ابتلا و آزمائش یوں ہی گزرتا رہا، یہاں تک کہ ۲۳۲ھ میں واثق کا بھی انتقال ہوگیا اور متوکل باللہ نے زمامِ اقتدار سنبھالا۔ اسی کے ساتھ معتزلوں کا سورج ڈھلنے لگا اور احیائے سنت کا دور شروع ہوا۔

جس طرح سونا دہکتے انگاروں پر جلنے کے بعد نکھر جاتا ہے یوں ہی حضرت امام کی شخصیت اس آزمائش سے گزرنے کے بعد سونا ہوگئی۔ معتزلوں کے ظلم و تشدد اور حضرت امام احمد بن حنبل کے صبر و استقلال نے جہاں ایک طرف معتزلی تحریک کو موت کے گھاٹ اُتار دیا وہیں لوگوں کو ظلم کے سائے میں جرأت مندی کے ساتھ جینے کا حوصلہ عطا کیا اور امام کی فکر کو بقا و خلود بخش دیا۔ شرق و غرب میں آپ کی مقبولیت میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا، علی الاطلاق آپ کو اس زمانے کی سب سے بڑی شخصیت تسلیم کرلیا گیا، مگر ہمارے امام کو یہ سب راس نہ آیا بلکہ خشیت و تقویٰ میں مزید اضافہ ہوگیا اور آپ کی نظر میں اگر آزمائش کا ایک دور ختم ہوا تھا تو اس سے کہیں سخت دور کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ پر متوکل کی کرم فرمائیاں شروع ہوئیں۔

امام احمد بن حنبل کی محدثانہ عظمت

حضرت امام احمد بن حنبل ایک بلند پایہ جلیل القدر محدث تھے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ آپ کو تقریباً سات لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ آپ کی حدیث دانی پر ائمہ زمانہ کو اعتماد تھا۔ چناں چہ حضرت امام شافعی آپ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

> اگر آپ کے پاس کوئی صحیح حدیث پہنچ جایا کرے تو مجھے بھی اس سے باخبر کردیا کیجیے خواہ وہ کسی حجازی سے پہنچی ہو یا شامی سے یا عراقی سے یا یمنی سے۔(۱۹)

قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلی البغدادی کہتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل متفقہ طور پر بلاچون و چرا امام فی الحدیث تھے۔(۲۰)

---

(۱۹) طبقاتِ حنابلہ، ۱/۱۰ (۲۰) دیکھئے: ضحی الاسلام، احمد امین، ۲/۱۰۶

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کی محدثانہ عظمت کا سب سے بڑا شاہکار آپ کی مسند ہے جس کا عبوری جائزہ لینے سے قبل مناسب ہوگا کہ تدوین کا ایک مختصر تاریخی پس منظر پیش کردیا جائے تاکہ علم حدیث پر آپ کی گراں قدر خدمات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ابتدائے امر میں صحابہ کرام کا اس بات میں اختلاف رہا کہ حدیثیں جمع کی جائیں یا نہیں لیکن پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی اربابِ عقل و تدبر کو یہ بات شدت سے محسوس ہونے لگی کہ سرچشمہ حدیث خشک ہوتا جا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یکے بعد دیگرے اس روئے زمین سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں اس لیے تدوین حدیث کی طرف پہلا قدم بڑھاتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں جمع کرو! مجھے اندیشہ ہے کہ علما کوچ کر جائیں اور علم کا نام ونشان مٹ جائے۔ ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں تخریج کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوری اسلامی سلطنت کے اہلِ علم کو لکھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی حدیثیں تلاش کرو اور جمع کرو۔(۲۱)

یہ ۹۹ھ کی بات ہے جب ذخیرۂ حدیث باضابطہ طور سے صفحۂ قرطاس پر نہیں بلکہ صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب کسی خلیفۃ المومنین نے تدوینِ حدیث کا حکم نامہ جاری فرمایا مگر نوشت تقدیر کہ جلد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوگیا اور یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، مگر جب دورِ عباسی کا آغاز ہوا اور اسی کے ساتھ علوم وفنون کی تدوین میں بھی قابلِ قدر اضافہ ہوا تو سب سے پہلے جس علم نے تدوین کے چہرۂ زیبا کی زیارت کی وہ تھا علم حدیث۔ چناں چہ درجنوں علمائے حدیث نے تدوینِ حدیث کا کام انجام دیا، البتہ کتاب کی شکل میں ہم تک صرف مؤطا امام مالک پہنچ سکی ہے جسے محدث مدینہ نے فقہی ابواب کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، اس کتاب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابتدائے امر میں جمع حدیث کا پہلا مقصد خدمتِ فقہ تھا۔(۲۲)

تدوینِ حدیث کا یہ پہلا مرحلہ تھا جس میں ابوابِ فقہ کی رعایت تھی، لیکن دوسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے بعض ائمہ حدیث کی توجہ اس بات کی طرف مبذول ہوئی کہ

(۲۱) دیکھئے: ضحیٰ الاسلام، احمد امین، ۲/۱۰۷

(۲۲) دیکھئے: ضحیٰ الاسلام، احمد امین، ۲/۱۰۸-۱۰۹

حدیث نبوی کو اقوالِ صحابہ سے الگ کر دیا جائے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ بخاری شریف کی شرح میں تدوین حدیث کے دورِ اوّل کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''دورِ اوّل کی تدوین ابواب کے اعتبار سے ہوئی جس میں کسی حد تک اقوالِ رسول ﷺ و اقوالِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فتاویٰ تابعین ایک دوسرے میں ملے ہوئے تھے یہاں تک کہ بعض ائمہ نے حدیث نبوی کو مستقل طور پر جمع کرنے کا خیال کیا۔ یہ ۲۰۰ھ کا زمانہ تھا، چناں چہ عبیداللہ بن موسیٰ العبسی الکوفی، مسدد بن مسرہد البصری، اسد بن موسیٰ الاموی اور نعیم بن حماد الخزاعی نے ایک ایک مسند ترتیب دی پھر ائمہ نے انھیں کی تقلید کی۔ چناں چہ بہت کم ہی حافظ حدیث ہوں گے جنھوں نے مسانید کی ترتیب نہ دی ہو۔(۲۳)

یہ تدوین حدیث کا دوسرا دور تھا جس میں حدیث کی تدوین مسانید کے اعتبار سے عمل میں آئی۔ کتب مسانید میں عام طور پر ابوابِ فقہ کی رعایت نہیں کی جاتی ہے بلکہ یہ کتابیں صحابی کے اعتبار سے ترتیب دی جاتی ہیں۔ چناں چہ ایک جگہ ایک صحابی سے روایت شدہ تمام حدیثیں ذکر کرنے کے بعد ہی دوسرے صحابی کی روایت شدہ احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ ترتیب میں صحابی کے مرتبہ و مقام کا خیال رکھا جاتا ہے۔

اسی دوسرے مرحلے کی جمع شدہ مسانید میں حضرت امام احمد بن حنبل کی مسند ہے جو ثقہ راویوں سے روایت کردہ حدیثوں کا ایک قیمتی ذخیرہ ہے جو حضرت کا علم حدیث پر گراں قدر علمی کارنامہ ہے، جس کی جمع و تدوین کے لیے آپ نے خدا کی اس وسیع و عریض سرزمین کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ چھان مارا۔ اس کی راہ میں آپ نے دُور دراز مملکت اسلامیہ کے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ کا یہ بیش بہا علمی سرمایہ آپ کی پوری حیاتِ طیبہ کی علمی تگ و دو کا نتیجہ ہے۔ اس کی جمع و تدوین کا کام آپ نے ۱۸۰ھ میں شروع کیا جو تاحیات جاری رہا، چناں چہ اس کتاب کی جمع و تدوین کے تعلق سے حضرت شمس الدین جزری فرماتے ہیں:

> امام احمد نے مسند کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا، اسے الگ الگ ورقوں میں لکھا، پھر اسے جدا جدا اجزا میں تقسیم کیا، یہاں تک کہ اس نے ایک

(۲۳) ابن حنبل، ابوزہرہ، ص ۱۰۹

☆ ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ ☆ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔ ☆

مسودہ کی صورت اختیار کرلی، مگر قبل اس کے کہ آرزو پوری ہو پیامِ اجل آپہنچا تو اسے اپنی اولاد اور اہلِ بیت کو اسے پہلی فرصت میں سنا ڈالا اور قبل اس کے کہ اس کی تہذیب و تنقیح اتمام تک پہنچتی وہ اس دنیا سے رخصت کر گئے اور مسودہ جوں کا توں قائم رہا، پھر ان کے صاحب زادے عبداللہ نے ان روایات کے مشابہ اور مماثل مسموعات اس میں شامل کردیے۔(۲۴)

ان سطروں سے صاف ظاہر ہے کہ مسند کی ترتیب حضرت امام احمد حنبل نے نہیں دی ہے بلکہ آپ کا کارنامہ جمع و تدوین کا ہے اور آپ کے صاحب زادے نے مسانید کے اعتبار سے خاص ترتیب دی۔

بہرحال اس کتاب کی ترتیب میں گرچہ آپ کے صاحب زادے اور ان کے ایک شاگرد کا بھی کارنامہ رہا ہے تاہم یہ کتاب آپ ہی کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے، جسے جمع فرما کر آپ نے اُمت پر احسان عظیم کیا ہے۔ آپ کے صاحب زادے کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کتابیں مرتب کرنے سے کیوں منع کرتے ہیں، حالاں کہ آپ نے خود بھی مسند لکھی ہے؟ جواب میں آپ نے فرمایا، ''یہ کتاب میں نے لوگوں کی راہ نمائی کے لیے لکھی ہے جب سنتِ رسول ﷺ کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلافات رونما ہوں گے تو لوگ اس کی طرف رجوع کریں گے۔(۲۵)

مسند کے علاوہ حدیث کے موضوع پر آپ کی اور بھی تصنیاف ہیں جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جتنی بھی تصنیفات ہیں خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہوں سب کو مجموعۂ احادیث تصور کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ آپ نے اپنی ہر تحریر و تقریر میں اپنا مطمع نظر حدیث و خبر ہی کو بنایا ہے۔اس لیے آپ کی ہر تحریر سے آپ کی محدثانہ عظمت بالکل عیاں ہے جس کی شہادت میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہوگا۔ آپ کی علمی شخصیت میں یہ اتنا

(۲۴) ابن حنبل، ابوزہرہ، ص ۱۹۵

(۲۵) ضحی الاسلام، ۲/۲۳۵

ابھرا ہوا پہلو تھا کہ بعض لوگوں نے آپ کے فقہی پہلو کو نظر انداز کر کے آپ کو صرف محدثین کی فہرست میں شمار کیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل کی شانِ تفقہ اور مقامِ اجتہاد

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر احادیث و آثار کا ایسا غلبہ تھا کہ بعض حضرات آپ کو فقہا میں شمار نہیں کرتے بلکہ آپ کو صرف محدثین کی فہرست میں رکھتے ہیں جیسا کہ ابن جریر طبری نے آپ کو مذہب من جملہ فقہی مذاہب میں شمار نہیں کرایا ہے بلکہ وہ آپ کے تعلق سے کہتے ہیں کہ (**انما هو رجل حديث لا رجل فقه**) ''وہ صاحبِ حدیث تھے، صاحبِ فقہ نہیں تھے'' اسی طرح مقدسی نے بھی آپ کو فقہا میں نہ شمار کر کے محدثین کی فہرست میں رکھا ہے، اسی طرح ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''المعارف'' میں اور ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''الانقاء'' میں جہاں ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، مالک اور امام شافعی کا تذکرہ کیا ہے، امام احمد بن حنبل کو نہیں شمار کیا ہے۔(۲۶)

مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل جہاں ایک بلند پایہ محدث تھے وہیں ایک جلیل القدر، صاحبِ مذہب، بڑے فقیہ اور عظیم الشان مجتہد بھی تھے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

> حضرت امام احمد بن حنبل دس چیزوں میں امام زمانہ تھا، حدیث و فقہ، لغت و قرآن، فقر و زہد، تقویٰ و پرہیزگاری اور سنت مصطفیٰ ﷺ۔(۲۷)

اور حضرت ابوعبیدالقاسم بن سلام (م:۲۲۴ھ) کہتے ہیں:

> علم چار شخصیتوں پر ختم ہوجاتا ہے: احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحیٰ بن معین اور بکر بن ابی شیبہ، مگر احمد بن حنبل ان میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔(۲۸)

بلکہ بعض حضرات نے تو حضرت امام احمد بن حنبل کو سفیان ثوری سے اعلم و افقہ بتایا ہے، جیسا کہ

(۲۶) طبقات حنابلہ، ۱/۱۲

(۲۷) طبقاتِ حنابلہ، ۱/۱۵۔۱۶

(۲۸) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص۱۹۹

ابوثور البغدادی نے کہا:

احمد بن حنبل اعلم من الثوری و أفقه۔(۲۹)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پایۂ علم اور فقہی منزلت کے بارے میں عبدالوہاب الوراق نے علیمی روایت کرتے ہیں:

ما رأیت مثل أحمد بن حنبل، فقالوا له والذی ستین ألف مسألة، فأجاب فیها: و حدثنا و أخبرنا۔(۳۰)

میں نے احمد بن حنبل کا مثیل کوئی اور شخص نہیں دیکھا لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی بنا پر آپ امام احمد کے فضل کا یوں اعتراف کرتے ہیں، جواب دیا کہ وہ ایسا شخص تھے جن سے ساٹھ ہزار مسائل پوچھے گئے اور ان کا جواب ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کہہ کر دیا۔ یعنی حدیث و خبر کی روشنی میں دیا۔

مگر آپ کی شانِ تفقہ اور مقامِ اجتہاد کا تفصیلی جائزہ لینے سے قبل مناسب ہوگا کہ اسلام میں فقہ و اجتہاد کا سرسری جائزہ پیش کر دیا جائے۔

نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ سے انتقال فرما جانے کے بعد اُمت مسلمہ کو قرآن اور آپ کے اقوال و افعال ملے، جنھیں صحابہ کرام نے دیکھا اور اس پر عمل کیا، تقلید کی یہ خشتِ اوّل تھی، مگر جیسے جیسے دائرۂ اسلام بڑھتا گیا اور نت نئے مسائل پیش آئے، صحابہ نے قرآن و حدیث کے علاوہ اجتہاد سے کام لیا، یہ فطری ضرورت تھی اس سے احتراز غیر ممکن تھا۔ یہ اجتہاد کا پہلا دور تھا۔

ابن قیم اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں کہتے ہیں:

کان أصحاب رسول اللہ ﷺ یحتذون فی النوازل و یقیسون بعض الأحکام علی بعض و یعتبرون النظیر بنظیرہ۔(۳۱)

---

(۲۹) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص ۲۷۳

(۳۰) ضحی الاسلام، احمد امین

(۳۱) ضحی الاسلام، ۲/۱۵۷۔۱۵۸

☆ما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا ☆ جو چیز ضرورتاً مباح کی گئی ہو اس کی مقدار کا تعین اسی کے مطابق ہوگا

رسول اکرم ﷺ کے صحابہ نئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد فرماتے تھے اور بعض احکام کو بعض پر قیاس کرتے تھے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر قائم کرتے تھے۔

احمد امین صحابہ کرام کی شانِ اجتہاد کے تعلق سے لکھتے ہیں:

و طهر بعد ذلک مصدر آخر و هو أن کبار الصحابة و علمانهم کانت تعرض علیهم بعض الأحداث ممن لم یعرفوا فیها نصامن کتاب ولا حدیث، فیجتهد برأیه، و یقول فیها قولا، و کان هذا القول فیما بعد بعد مستندا من مستندات التشریع لأنه صدر عن صحابی کبیر عاشرالنبی ﷺ زمنا طویلا و عرف مناحی الشریعة و مجراها۔(۳۲)

زمانۂ رسالت کے بعد قرآن و حدیث کے علاوہ شریعت کا ایک دوسرا ماخذ معرضِ وجود میں آیا اور یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بڑے علما کے سامنے نئے مسائل پیش کیے جاتے تو جس کے سلسلے میں کوئی نص نہ ملتی تو صحابہ اپنی رائے سے اجتہاد فرماتے۔ جو بعد میں شریعت کے مآخذ میں سے ایک مآخذ شمار کیا جاتا کیوں کہ یہ حکم کسی ایسے بڑے صحابی سے صادر ہوا ہوتا جس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی زندگی کا ایک عرصہ گزارا ہے اور شریعت کے مصادر و مآخذ کو قاعدے سے پہچانا ہے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تعلق سے مروی ہے کہ آپ سے ایک بار اس عورت کے تعلق سے سوال کیا گیا جس کا شوہر مر گیا ہو اور مہر متعین نہ ہو تو آپ نے جواب دینے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اس مسئلہ میں فیصلہ صادر فرماتے ہوئے نہیں پایا ہے، مگر جب لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے اپنی اجتہادی رائے سے یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ ایسی عورت کا مہر بلا کسی کمی اور زیادتی کے مہر مثل ہوگا، اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی اور

(۳۲) ضحی الاسلام،۲/۱۵۸

☆کتاب وسنت سے اخذ کردہ احکام، فقہی احکام کہلاتے ہیں ☆

وہ وراثت کی بھی حقدار ہوگی، اس پر حضرت معقل بن یسار کھڑے ہوئے اور شہادت دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی عورت کے حق میں اسی طرح کا فیصلہ صادر فرماتے ہوئے سنا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود اتنا خوش ہوگئے کہ اتنی خوشی انھیں اسلام لانے کے بعد کبھی نہیں ہوئی تھی۔(۳۴)

پھر صحابہ کے بعد تابعین کرام کا دور آیا جس کا اُفق پہلے دور سے کہیں وسیع تھا، اس زمانے کے مسائل پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور نت نئے تھے۔ اس لیے جہاں تابعین کرام کے لیے قرآن و حدیث کے علاوہ صحابہ کے فتاوے قابل تقلید نمونہ بنے، وہیں اجتہاد سے چھٹکارا نہ مل سکا بلکہ زمانے کی نزاکت کے پیش نظر اجتہاد کا دروازہ وسیع ہوگیا۔ اسے اجتہاد وتقلید کا دوسرا دور مانا جاسکتا ہے۔

تبع تابعین کے زمانے میں مسائل اور بڑھ گئے، جغرافیہ اسلام کا نقشہ بدلنے لگا، حدود میں وسعت ہونے لگی، اسلام میں نئی نئی قوموں کے دخول اور نئے نئے امور کے اندراج نے علمائے اُمت اور اساطین اسلام کو اجتہاد پر مجبور کردیا، پھر اجتہاد وتقلید کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اسلام میں چار مستقل مذاہب رونما ہوئے جن میں اجتہاد وتقلید کے عناصر بالکل عیاں تھے۔ چناں چہ ہر امام کسی نہ کسی کا جزوی طور پر ہی صحیح مقلد رہا ہے، مثلاً فقہائے عراق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب کے خطوط کے مقلد رہے ہیں جیسا کہ امام اعظم کی فقہ سے عیاں ہے اور اسی طرح فقہائے مدینہ حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی فقہ و اجتہاد کے مقلد رہے ہیں جیسا کہ حضرت امام مالک کی فقہ کے اوراق شاہد ہیں۔

غرضے کہ ائمہ اربعہ کے اجتہادات بدعت نہیں بلکہ سنت صحابہ اور نزاکت زمانہ کی فطری ضرورت کے عکاس تھے۔ ان اماموں کی تقلید اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کے براہِ راست مقلد تھے، پھر تابعین کرام نے صحابہ کے اجتہادی فتوؤں میں ان کی تقلید کی، کیوں کہ صحابہ، رسول اکرم ﷺ کی تعبیر میں مثل نجوم ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی اقتدا کی جائے منزلِ مقصود ہی ملے گا، پھر اسی طرح تبع تابعین نے تابعین کی اقتدا یہاں تک کہ ائمہ

(۳۴) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص۲۷۳

اربعہ کے مستقل مذاہب معرضِ وجود میں آئے، مگر خیرالقرون قرنی ثم الذی یلیہ کے تناظر میں دائرۂ اجتہاد سمٹتا گیا اور تقلید کے دروازے ہر کسی کے لیے وا ہوتے گئے تاکہ نظامِ اسلام درہم برہم نہ ہو۔

اسی تقلید کے مذاہب اربعہ سے چوتھا اور آخری مذہب حضرت امام احمد بن حنبل کا ہے جس کا ایک خاص مزاج ہے اور خاص رنگ۔

امام احمد بن حنبل کے اصولِ استنباط

ابن قیم الجوزیہ نے امام احمد بن حنبل کے پانچ فقہی اصول بیان کیے ہیں جو بقولِ علامہ ابوزہرہ چار ہیں اور وہ یہ ہیں: قرآن وسنت، صحابہ کے فتاوے اور قیاس۔ اس کے علاوہ بھی امام کی طرف بعض اصول منسوب کیے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں: استصحاب، مصالح مرسلہ اور سد ذرائع۔ لیکن ہم یہاں آپ کی قیاس کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ آپ کی شان اجتہاد کا پہلو واضح ہوجائے اور ان لوگوں کی تردید بھی ہوجائے جو یہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل قیاس سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ آپ کا اعتماد صرف احادیث و اخبار پر تھا۔ گویا قیاسِ دین میں کوئی بدعت ہے جو امام کی سلفیت کے خلاف ہے جب کہ قیاس زمانہ صحابہ ہی سے اسلام کے اہم اصول استنباط میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی کے شاگرد علامہ مزنی کہتے ہیں:

> **الفقہاء من عصر رسول اللّٰہ ﷺ الی یومنا استعملوا المقاییس فی الفقہ فی جمیع الاحکام فی امردینھم و اجمعوا بان نظیر الحق حق و نظیر الباطل باطل فلا یجوز لاحد انکار القیاس لانہ التشبیہ بالامور و التمثیل علیھا۔(۳۴)**
>
> **روی الخلال عن احمد: سائلت الشافعی عن القیاس فقال: ’’انما یصار الیہ عند الضرورۃ أو ھذا معناہ۔‘‘(۳۵)**
>
> خلال کی روایت حضرت امام احمد سے کہ انھوں نے حضرت امام شافعی

(۳۴) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص ۲۷۳

(۳۵) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص ۲۷۳

سے قیاس کے تعلق سے پوچھا تو حضرت امام شافعی نے فرمایا: ’’ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔‘‘

جیسا کہ اس سے پہلے گزرا کہ ابن قیم امام کے اصول استنباط میں قیاس کا تذکرہ کرتے ہیں بلکہ یہی تمام حنابلہ کا موقف ہے کہ امام نے ضرورت کے وقت قیاس سے کام لیا ہے جیسا کہ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

تمام حنابلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ قیاس فرماتے تھے۔ اس بات کی تائید میں آپ سے منقول عبارت اور فروع پیش کرتے ہیں جن سے طریقۂ استنباط کی طرف صاف اشارہ ہوتا ہے کہ آپ منکرین قیاس میں نہیں تھے بلکہ آپ مثبتین میں تھے۔(۳۶)

ابوزہرہ مزید لکھتے ہیں:

آثار وخبر کی روشنی میں وہ ہر سوال کا جواب دیتے کبھی کبھی رائے اور قیاس سے بھی کام لیتے تھے لیکن ان کا قیاس آثار اخبار کا پرتو ہوتا تھا۔(۳۷)

البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ امام احمد بن حنبل کے یہاں قیاس کا وجود بہت محتاط مقدار میں ہے۔ ضرورت قصوی کے وقت ہی قیاس کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے، آپ کی بیشتر فقہ نصوص اور فتاوے صحابہ سے ماخوذ ہیں۔ ابوزہرہ امام کی فقہ کے اوصاف کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

امام احمد کے فتاویٰ احادیث و اخبار اور سلف صالح کے آثار پر مبنی تھے۔ اس سلسلے میں ان کا علم بہت وسیع تھا اور آپ کے یہاں روایت کا ذخیرہ تھا، وہ قولِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے فتاویٰ پر فتاویٰ دیا کرتے تھے۔ فتویٰ اس قول پر دیتے تھے جو مختلف فیہ نہ ہو، مختلف فیہ ہونے کی صورت میں کسی ایک قول کو اختیار کر لیتے تھے اور اگر ترجیح کی کوئی وجہ نہ دیکھتے تھے تو زیر بحث مسئلے میں دونوں کے قول مان لیتے تھے۔ اگر انھیں کسی

(۳۶) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص ۲۰۱

(۳۷) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص ۱۹۹۔۲۰۰

صحابی کا فتویٰ نہ ملتا تو پھر وہ کسی تابعیؒ کی رائے اختیار کرلیتے، یہ بھی ممکن ہوتا تو پھر کسی ایسے فقیہ کا قول قبول کرلیتے جو علم حدیث میں مشہور ہوتا۔ جیسے امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ، حالاں کہ وہ مسائل فقیہ میں مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے، ان کے اجتہادی مسائل کم نہیں بہت زیادہ ہیں۔ اگرچہ آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ آپ کی رائے کسی امام کی رائے سے بہرحال مطابقت رکھتی ہو اس لیے کہ وہ دینی معاملات میں نہ نئی راہ پسند کرتے تھے اور نہ ہی ندرت واغراب کو صحابہ سے فرط تاثر کی بنیاد پر اپنا طریقہ کار بتاتے تھے۔(۳۸)

یہ تھا آپ کے فتویٰ دینے کا انداز اور قیاس کے تعلق سے آپ کا محتاط موقف، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ قیاس سے بے نیاز تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو حنابلہ کی کتابوں میں قیاس کے انبار نہ ملتے۔ ابوزہرہ فقہ حنبلی میں قیاس کے وجود کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

امام احمد کے قیاس سے کام لینے کی وجہ سے فقہ حنبلی میں قیاس کو خاص مقام حاصل ہے بلکہ حنبلی فقہا امام احمد سے زیادہ قیاس سے کام لینے کے عادی رہے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اس بات پر انھیں زمانے کی ضروریات نے مجبور کردیا لوگوں کے حادثات اور مسائل جیسے جیسے گوناگوں شکل اختیار کرتے گئے فقہائے حنابلہ اس بات پر مجبور ہوتے گئے کہ فتاویٰ صحابہ اور امور منصوص پر قیاس کریں اور فتویٰ دیں۔ وہ مجبور ہوگئے کہ اپنے امام کے اقوال سے تخریج کریں اور یہ کام بغیر قیاس کے ممکن نہ تھا۔ لہٰذا وہ اسی طریقے پر چلے، انھوں نے اجتہاد کیا بھی اور استنباط سے بھی کام لیا اور اجتہاد بالرائے کی دوسری صورتوں سے بھی مثلاً استصحاب، مصالح مرسلہ اور استحسان وغیرہ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے حنابلہ اصولِ فقہ کے سلسلے میں متعدد بلند پایہ اور مفید کتابیں لکھی ہیں، ان

(۳۸) ابن حنبل، محمد ابوزہرہ، ص۲۷۳۔۲۷۴

میں علی بن محمد بن عقیل البغدادی ہیں۔ ۵۱۳ھ، ابویعلی محمد بن الحسین الفراء ۴۵۸ھ، کے شاگرد ابن قیم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے اصولِ فقہ پر کئی کتابیں لکھیں۔ اس علم کے قواعد مرتب کرنے اور ان کی توضیح وتشریح کرنے میں کافی جدوجہد کی اور قیاس پر خصوصیت کے ساتھ قلم اُٹھایا اور پھر ابن تیمیہ اور ابن قیم نے فقہ اسلامی کی اس شاخ قیاس پر بہت زیادہ تفصیل اور تکمیل کے ساتھ بحث کی ہے۔(۳۹)

امام احمد بن حنبل کی فکر سے وہابیت کے انتساب کا شاخسانہ

عجیب وغریب تماشا ہے کہ آج کی غالی سلفیت اپنا قبیح چہرہ چھپانے کے لیے امام احمد بن حنبل کی اس چادر معطر کا سہارا لیتی ہے جس کے ہر ہر دھاگے سے محبت اسلاف اور تقلید و اجتہاد کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ تاریخی حقائق اور بنیادی فروق کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے حنبلیت کا ڈھنڈورا کرتے پھرتی ہے۔ حالاں کہ اللہ شاہد ہے کہ غالی سلفیت اور امام احمد سے موروثیت اصول و افکار میں زمین و آسمان کا بھی رشتہ نہیں ہے، مگر سر چھپانے کے لیے کم از کم آسماں چاہیے۔ ملاحظہ کیجیے مستشرق لاؤسٹ لکھتا ہے:

> آپ (امام احمد بن حنبل) اہل سنت کے چار مذاہب میں سے مذہب حنبلی کے بانی ہیں اور اپنے شاگرد ابن تیمیہ کے شاگرد کے ذریعے وہابیت کے مورثِ اعلیٰ اور کسی حد تک سلفیہ کی قدامت پسندانہ تحریک کے بھی محرک ہیں۔(۴۰)

اس تحریک میں لاؤسٹ نے اپنا ''استشراقی تیور'' دکھاتے ہوئے جہاں ''وہابیت'' کی کڑی کو امام کی ذات سے جوڑنے کی بے جا کوشش کی وہیں ایک مغالطہ کی بنیاد ڈال دی اور ابن تیمیہ کو امام احمد کا شاگرد کہہ ڈالا جو قطعاً درست نہیں ہے۔ ہاں اگر ہم مجاز بعید کا سہار الیں تو بالواسطہ ان کو امام صاحب کا شاگرد گردانا جاسکتا ہے مگر اس تکلف کی اس شخص کے حق میں کیا

(۳۹) دیکھیے: معارف اسلامیہ (اردو) ۶۴/۲

(۴۰) تاریخ الادب العربی۔ العصر العباسی الاوّل، شوقی ضیف، ص۳۴۲

ضرورت جس نے مجاز کا ہی انکار کیا ہو؟

مصر کے ایک مشہور قلم کار ڈاکٹر شوقی ضیف نے بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر عصرِ حاضر کے "وہابیوں" کو حنبلی المذہب بتایا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ:

غیر أن مذهبه لم يكتب له الانتشار كما كتب للمذاهب الثلاثة السالفة، و ان كان قد از دهر حديثا بين الوهابين۔(۴۱)

مگر امام احمد بن حنبل کا مذہب سابقہ تین مذاہب کی طرح رواج نہ پاسکا گرچہ عصرِ حاضر میں وہابیوں کے مابین اس مذہب کی ترقی ہوئی۔

ان تحریروں کے پس منظر میں وہابیوں کا وہ شور شامل ہے جس کا راگ وہ الاپتے رہتے ہیں اور ایک طرف تو اپنے حنبلی کا دعویٰ کرتے ہیں تو دوسری طرف تقلید اور دوسری ضروریاتِ دین کا بھی مذاق اُڑاتے ہیں۔ درحقیقت یہی وہ مزاج متضاد غالی سلفیت کے فکری اضطراب کا عکاس ہے۔ اب ہم پیش کرتے ہیں امام کی چند ایسی فکریں جن سے خود بخود وہابیت کے حنبلی تانے بانے ان سے بیزار دکھائی دیں گے۔

امام احمد بن حنبل کی نظر میں تقلید کا مقام

ابن قیم نے اعلام الموقعین میں حضرت امام احمد بن حنبل کے تعلق لکھا ہے:

وقال الامام احمد لبعض اصحابه: اياک أن تتكلم في مسالة ليسلک فيه امام۔(۴۲)

حضرت امام احمد نے اپنے بعض شاگرد سے کہا: خبردار! کسی ایسے مسئلے میں کلام مت کرو جس میں تمھارا کوئی امام نہ ہو۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فتاوے کے تعلق سے آپ کا پُرعزم اور محتاط مؤقف تقلید کے لیے زرین دلیل ہے کہ آپ اس وقت تک اجتہاد اور قیاس سے کام نہیں لیتے تھے جب تک کہ آپ کے سامنے نصوص یا صحابہ اور تابعین کے فتاوے موجود رہتے بلکہ آپ

---

(۴۱) دیکھیے: ابن حنبل لابی زہرۃ، ص ۲۰۱

(۴۲) دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ۱۰/ ۴۲۷، ۴۲۸

ایسی صورت میں صحابہ اور تابعین یا کسی بڑے امام کے مقلد ہوتے۔ ہاں جب یہ سب کچھ آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے تب آپ اجتہادی رائے قائم فرماتے جس سے جہاں یہ واضح ہوتا کہ آپ ایک بہت بڑے مجتہد صاحب مذہب فقیہ تھے وہیں آپ کے سلوک وعمل سے تقلید کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ سالم عقل چاہیے سالم فکر کے لیے!

امام احمد کی نظر میں تبرکات کا مقام

عام طور پر غالی سلفیت تبرکات کی توہین میں پیش پیش رہتی ہے۔ بزرگوں کے آثار و اسلاف کی تعظیم سے اس جماعت کو ہمیشہ شرک ہی کی بو آتی ہے۔ ایسی نشانیوں کو مٹانا اور ان کے خلاف جنگی پیمانہ پر تحریک چھیڑنا جن سے بزرگوں کی محبت کی خوشبو پھوٹے، اس جماعت کا اوّلین مقصد اور جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے، مگر آیئے دیکھیں تبرکات کے تعلق سے اس ذات کا کیا مؤقف ہے جس کی طرف یہ جماعت اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے۔

مروی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو آزمائش کے دنوں میں خلیفہ کے حکم سے ٹکٹکی کے پاس لے جا کر کھڑا کیا گیا۔ جلادوں نے آگے بڑھ کر ان کا کرتا اُتار لیا، اس میں ایک طرف ایک گرہ میں کوئی چیز بندھی تھی، ان سے پوچھا اس گرہ میں کیا ہے، انھوں نے جواب دیا: اس میں میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک بال ہیں جو ابن الفضل بن ربیع نے مجھے بطورِ عطیہ دیے تھے۔

سبحان اللہ! چہ نیست خاک را باعلم پاک! یہ ہے ستودہ صفات ہستی جس کی نبی کریم ﷺ سے محبت کا عالم یہ تھا اور آج کا حنبلی جسے اسی ذات گرامی ﷺ کے روضے کی زیارت میں شرک نظر آیا تو کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کذب و افترا ہے؟ (**فلیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون**)

حرمت تکفیر مسلم نمبر کی دوبارہ طباعت

خصوصی شمارہ حرمت تکفیر مسلم نمبر کی بڑھتی ہوئی طلب کے پیش نظر خصوصی شمارہ دوبارہ طبع کیا جارہا ہے۔

☆لاثواب الا بالنیۃ ☆ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆(فقہی ضابطہ)

معاہدۂ بیع کی تعریف اور اقسام

پروفیسر طاہر منصوری

بیع کی حقیقت

مال یا اسی طرح کی کسی چیز (مثلاً منفعت اور حق) کو مال کے بدلے میں کسی کو اس طور پر دینا کہ وہ مال یا چیز اس کی ملکیت بن جائے، شرعاً بیع ہے۔

(المجموع شرح المهذب ۹:۱۴۹)

مال اور مبیع کا مفہوم

مال سے مراد وہ (مادی و محسوس) چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو، اور اسے ضرورت کے وقت کے لیے ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔ مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے اسے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے۔

''تقوم'' یا کسی چیز کی مالیت (monetary value) لوگوں کی جانب سے اس چیز کو مال کے طور پر استعمال کرنے اور شرعاً اس سے مستفید ہونے کی اجازت سے ثابت ہوتی ہے۔ (تکمله رد المحتار ۷:۷)

مال کا اطلاق ہر اس شے پر ہوتا ہے جس کی کوئی قیمت (value) ہو، جس کے عوض وہ چیز فروخت کی جائے اور اس کے ضائع کرنے والے پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم ہو، چاہے وہ قیمت کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ البتہ وہ چیز جسے لوگ اس کی بے وقعتی کی وجہ سے پھینک دیتے ہیں، جیسے پائی، دھیلا وغیرہ تو اس طرح کی چیز مال قرار نہیں پائے گی۔

☆ اذا تعارض الحقوق قدم منها المضيّق ☆